بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

ہمارے ملک میں جس سُرعت کے ساتھ اخلاقی انحطاط آ رہا ہے اور اُس کے نتیجے میں یہاں جس افسوسناک انداز سے انسانی جان اور عزت و آبرُو کا احترام رخصت ہو رہا ہے، وہ ہر اُس شخص کے لیے انتہائی پریشان کن ہے جس کے اندر انسانیت کی کوئی معمولی رمق بھی باقی ہے۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ آپ کو قتل و غارت کے متعدد واقعات ملیں گے اور انہیں پڑھنے کے بعد آپ یہ محسوس کریں گے کہ اس سفاکی کے پیچھے کوئی زبردست وجہِ اشتعال کام نہیں کر رہی ہے بلکہ نہایت معمولی معمولی باتوں پر بڑی شقاوتِ قلبی کے ساتھ قیمتی جانوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ یُوں نظر آتا ہے کہ ہمارے اس ملک کی بستیاں آدمیت سے خالی ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ درندگی کا راج قائم ہو رہا ہے۔

آپ اس بات کو یکسر نظر انداز کر دیجیے کہ کونسے لوگ اس قتل و غارت کے ذمّہ دار ہیں یا اس کی تہ میں کون سے عوامل کارفرما ہیں۔ آپ اس سنگین صورتِ حال پر خالص انسانی نقطۂ نظر سے سوچیے کہ کیا یہ بات انسانیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر رکھتی ہے کہ ایک غریب اور بے کس انسان کو جو سبزی اور پھل بیچ کر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال رہا ہو، محض اس لیے گولی سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے کہ وہ مال خریدنے والوں سے اپنے مال کے جائز دام کا مطالبہ کرتا ہے یا ایک ذہین اور صاحبِ دل نوجوان کا سینہ صرف اس لیے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے کہ وہ اپنی ایک رائے رکھتا ہے اور اسے ایمانداری اور جرأت کے ساتھ اُس ایوان میں بیان کرتا ہے جو ملکی معاملات کی تنقیح کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، یا ایک ہونہار اور مرنجاں مرنج اخبار نویس کی زندگی کا چراغ

محض اس لیے گُل کر دیا جائے کہ وہ اپنے فرضِ منصبی کی بجا آوری میں بعض ایسے حلقوں سے بھی روابط قائم رکھتا ہے جو کسی وجہ سے حکومت کے مغضوب ہیں۔

اسی سلسلہ میں آپ ہر قسم کے گروہی اور سیاسی اختلافات سے بلند ہو کر ذرا اُس ہولناکی کو بھی نگاہ میں لائیں جس کا آغاز کراچی میں عین اُس رات ہُوا جو ایک نہایت ہی مقدس اور بابرکت مہینے کی ابتدا تھی۔ اس موقع پر مسلمان غیروں کے نہیں بلکہ اپنوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے۔ مسلمان نے مسلمان کا گلا کاٹا۔ مسلمانوں نے مسلمانوں کے گھر جلائے۔ مسلمانوں نے اپنے ہی بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلی اور ایک دوسرے کے خلاف جبر و تشدّد، ظلم و زیادتی، درندگی اور ہوسناکی کے وہ شرمناک مظاہرے کیے کہ اُن کے تصوّر سے انسان تو کیا درندے بھی کانپ جائیں۔

ان واقعات سے انسانیت کو جو صدمہ پہنچا ہے اُس پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ ذرا اُن بدنصیبوں کی محرومیوں پر بھی غور کریں جو ان سے براہِ راست متاثر ہوئے ہیں۔ غریب پھل فروش کا سارا خاندان تباہ ہو گیا۔ اُس کی محنت مشقت سے گھر کے افراد سامانِ زیست مہیا کرتے تھے۔ اسی کے دم قدم سے گھر کی رونق قائم تھی۔ اس کے رخصت ہو جانے کے بعد اس کے پسماندگان کو جس قسم کے جذباتی خلا اور مالی دشواریوں میں اپنی زندگیاں بسر کرنا ہونگی، ان کا اندازہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ اسی طرح مرحوم ضمیر قریشی کی بیوی، اُن کی ننھی بچی، اُن کے بوڑھے والدین اور اُن کے بہن بھائیوں کو جو زبردست نقصان پہنچا ہے کوئی مؤثر سے مؤثر قرارداد، اور کوئی زوردار سے زوردار بیان بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

انسانی خون کی یہ ارزانی کسی ہنگامی اور وقتی صورتِ حال کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے کچھ ایسے اسباب ہیں جن پر اس ملک کے حکمرانوں اور تمام بہی خواہوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

کیونکہ اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو یہ ملک بڑی سُرعت کے ساتھ تباہی کے راستے پر بڑھتا چلا جائے گا اور چند سالوں میں اس کا انحطاط اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں سے اسے سنبھالا دینا قریب قریب ناممکن ہوگا۔ جو ملک غیر ملکی حملوں اور دشمنوں کی بم باری سے تباہ ہوتا ہے وہ جلد ہی ازسرِنَو تعمیر ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے اندر بسنے والوں کے حوصلے پست نہ ہوں اور اُن میں زندہ رہنے کا جذبہ مضمحل نہ ہو چکا ہو۔ لیکن جس ملک میں انسانیت کا دیوالہ نکل جائے، جہاں ظلم و ستم اور بدمعاشی کا دَور دورہ ہو، جہاں ایک بھائی ہی خود اپنے دوسرے بھائی کے درپئے آزار ہو اور کوئی فرد بھی اپنی جان اور عزت و آبرو کو محفوظ محسوس نہ کرتا ہو، اُس ملک کو قدرتی وسائل و ذرائع کی فراوانیاں اور وسیع منصوبہ بندیاں تباہی سے کسی طرح بھی نہیں بچا سکتیں۔

ملک کے بقا، اس کے استحکام اور اُس کی ترقی کا سارا دارومدار انسانی آبادی پر ہے۔ انسان کے لیے خوراک، لباس، اور دوسری ضروریاتِ زندگی سے کہیں زیادہ اہم اپنی زندگی کے بارے میں اطمینان ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کا اپنی زندگی کی حفاظت کے متعلق اطمینان ہوا اور پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ ہوا، پانی اور زندگی کی دوسری ضروریات حاصل کرنے کی صرف اُسی صورت میں خواہش اور کوشش کرے گا جب کہ وہ جینے کے حق سے محروم نہ ہوگا۔ زندہ رہنے کا یہی بھروسہ اُس کے اندر جدوجہد کی اُمنگ پیدا کرتا ہے اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو ایک خاص نہج اور راستے پر ڈالتا ہے۔ جس شخص کے سر پر ہروقت ستم کی تلوار لٹکتی رہے اور جسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہیں اور جو اپنی زندگی کو ہر آن ظالموں کی دست درازیوں کی زد میں سمجھتا رہے، اُس کی فکری اور ذہنی صلاحیتیں کسی طرح اجاگر نہیں ہو سکتیں۔ مسلسل خوف و ہراس کی کیفیات سے نہ صرف جذبات کے اندر تلخی اور دل کے اندر بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے بلکہ انسان کی ساری قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خصوصاً جب اس خوف اور عدمِ اطمینان کے سامان اُن اطراف سے پیدا ہونے شروع ہو جائیں جنہیں وہ اپنی حفاظت کے زبردست مورچے سمجھتا ہو۔

جو حضرات اس نیم برِاعظم کے گزشتہ چالیس پچاس سال کے حالات پر کچھ بھی نگاہ رکھتے ہیں وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انگریز نے اپنی ساری خامیوں، کمزوریوں اور خود غرضیوں کے باوجود یہاں امن و امان قائم کر رکھا تھا۔ اُس نے بلاشبہ ملک کو سیاسی لحاظ سے کچلا اور معاشی اعتبار سے تاخت و تاراج کیا، اُس نے معاشرے میں سے بے ضمیر اور خود غرض لوگوں کو بڑی محنت سے تلاش کیا اور پھر انہیں اپنے بھائیوں کا گلا دبانے کے لیے بڑے شرمناک طریقے سے استعمال کیا۔ اُس نے دین اور اخلاق کی بیخ کنی کے لیے ہر انسانیت سوز حربہ استعمال کیا، لیکن ان سب تلخ حقائق کو ماننے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس نے ملک کے انتظام و انصرام میں بڑی دلچسپی لی اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے خاطر خواہ انتظامات کیے۔ چنانچہ آج سے چالیس برس پہلے کے اگر ریکارڈ کا جائزہ لیا جائے تو اُس میں آپ کو قتل و غارت کے بہت کم واقعات ملیں گے۔

پھر اگر کبھی اس قسم کے چند واقعات ہو بھی جاتے تھے تو اُن کی بڑی تندہی سے تفتیش ہوتی تھی۔ مُجرم اکثر و بیشتر گرفتار کر لیے جاتے اور انہیں اپنے جرائم کی فرار واقعی سزا ملتی جس سے مجرموں کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ آج کی طرح بے خوف ہو کر انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے۔

انگریز کے رخصت ہونے سے چند سال پیشتر ہی ملک کا نظم و نسق کافی حد تک ڈھیلا پڑ گیا اور اس وجہ سے سماج دشمن عناصر کے حوصلے بڑھنے لگے اور انہوں نے لوگوں کو مختلف طریقوں سے ستانا شروع کیا۔

ایک طرف تو ان ناپسندیدہ عناصر کی سرگرمیاں تیزی سے بڑھتی رہیں اور دوسری طرف مسلمانوں اور ہندوؤں اور سکھوں میں اختلافات کی ایک ایسی خلیج حائل ہوتی رہی جس نے بالآخر ایک دوسرے کے خلاف شدید منافرت کی صورت اختیار کر لی۔ غنڈوں نے جذبات کی اس تلخی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی ہی قوم کے ہیرو بن کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مختلف جتھوں

کی رہنمائی کی۔

پاک و ہند کی تاریخ میں اس دور سے زیادہ کوئی تاریک دور نہیں ملتا جب ہندوؤں اور مسلمانوں اور سکھوں نے خونخوار لوگوں کی سرکردگی میں اَن گنت بے گناہ اور بے کس انسانوں کو قتل کیا، امن پسند شہریوں کی جائدادیں لوٹیں اور جلائیں، معصوم اور بیکس عورتوں کی عصمت دری کی اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو بڑے دردناک طریقے سے قتل کر دیا۔ جن لوگوں نے وہ روح فرسا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور وہ اپنے پہلو میں پتھر کے بجائے دل رکھتے ہیں اُن کے جسم پر آج بھی اِن حالات کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

تقسیم سے پہلے کلکتہ، بہار اور دوسرے مقامات پر اور پھر تقسیم کے وقت برعظیم کے مختلف علاقوں میں انسان نے انسان کا جو حشر کیا اُس سے نہ صرف انسانی اقدار کی مٹی پلید ہوئی بلکہ خود انسانی جان کا احترام بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جنگلوں اور ویرانوں میں وحشی جانور اور درندے تو ایک دوسرے کو گوارا کر رہے ہیں لیکن انسان ایک دوسرے کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بن چکا ہے اور وہ بالکل معمولی انگیخت پر اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے پر تل جاتا ہے۔

ملک آزاد ہونے کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں زمامِ کار آئی ان کا یہ فرض تھا کہ انسان کے مُنہ کو انسانی خون کی جو چاٹ لگ گئی ہے اس کی کوئی فکر کی جاتی۔ لیکن تقسیمِ ملک نے جس قسم کے پیچیدہ مسائل اور اُلجھنیں پیدا کر رکھی تھیں انھوں نے بعض فرض شناس اصحابِ اقتدار کو بھی اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور آدم خور انسان بڑے مزے اور اطمینان کے ساتھ انسانی خون سے لذت حاصل کرتے رہے۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ عنانِ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جو عوامی تائید و حمایت سے یکسر محروم تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ناجائز اقتدار کی حفاظت کے لیے جہاں حکومت کی انتظامی مشینری کو بے دریغ استعمال کیا وہاں غنڈوں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ یہ رجحان اگرچہ تقسیمِ ملک سے پہلے ہی کسی حد تک شروع

ہو چکا تھا لیکن تقسیم کے بعد بتدریج اس خطرناک پالیسی پر عمل درآمد بڑھنا شروع ہؤا اور غنڈہ ہماری سیاسی زندگی میں ایک فعّال عنصر کی حیثیت سے آگے بڑھنے لگا۔ ایک مدت سے حالت یہ ہے کہ ایک طرف ملک کا نظم و نسق بالکل درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے حکومت کے کارندے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بجائے اپنا پورا وقت اور ساری صلاحیتیں برسرِ اقتدار گروہ کے مفادات کی حفاظت و پاسبانی میں صرف کرتے رہتے ہیں کیونکہ انہی خدمات پر اُن کی ملازمت اور ترقی کا سارا دارومدار ہے۔ دوسری طرف غنڈوں کے اندر اپنی غیر معمولی اہمیت کا شعور بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو معاشرے کے ناپسندیدہ عناصر سمجھنے کے بجائے ملک کی بہت بڑی کارکُن بلکہ فیصلہ کُن قوت خیال کرنا شروع کر دیا ہے اور اُن کے دل و دماغ میں یہ زعم پیدا ہو گیا ہے کہ اقتدار کی حفاظت اور اس کے ہاتھوں کی تبدیلی میں انہیں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے۔ اُونچے طبقوں میں اُن کی پذیرائی کی وجہ سے اُن کے عزائم بہت بڑھ گئے ہیں اور اُن کی مہمات کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا ہے۔ اب وہ حکومت کے کارکنوں سے بالکل بے خوف ہو کر بے گناہ شہریوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ حکومت ان تلخ حقائق سے پوری طرح واقف ہے لیکن وہ اُن سے اغماض برتنے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے۔ جب ایک اوباش اور بداخلاق آدمی کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے تو اسے لامحالہ چھوٹ دینی پڑتی ہے اور اسے اس امر کا اطمینان دلانا پڑتا ہے کہ جو جرم وہ کرے گا اُس کی اس سے کوئی بازپرس نہ ہو گی۔ جب غنڈہ گردی کی سرپرستی نظم و آئین کی پاسبان طاقتیں کرنے لگیں تو اس وبا کا انتہائی خطرناک صورت اختیار کرنا کوئی ناقابلِ فہم بات نہیں ہے۔

اس ملک میں قتل و غارت، غنڈہ گردی اور عزت و آبرو پر حملوں کی بڑھتی ہوئی وارداتکے بنیادی اسباب میں سب سے بڑا سبب خدا سے بے خوفی اور دین سے بے تعلقی ہے۔ تہذیب و شائستگی، ضبطِ نفس، انسانی جان اور اُس کا احترام پیدا کرنے میں جس قدر خدمت مذہب نے کی ہے کسی اور چیز نے نہیں کی۔ مذہب ہی انسان کے لطیف احساسات کو ابھارتا اور اُس کے اندر رحم

اور شفقت کے احساسات کی آبیاری کرتا ہے۔ انسان جتنا مذہب سے دُور ہوگا اتنا ہی وہ خود غرض، بے رحم اور شقی القلب ہوگا۔ یہ احساس کہ انسان ایک رُوح رکھتا ہے جسے اگر تکلیف پہنچے تو وہ مالک الملک کے دربار میں ظالم کے خلاف فریاد کرتی ہے۔ یہ عقیدہ کہ جو کچھ ظلم و ستم وہ کر رہا ہے اُسے کوئی علیم و خبیر ذات دیکھ رہی ہے اور اُسے دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اُس ذات کی عدالت میں مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا ہے۔ یہ درحقیقت ضبطِ نفس کے اہم ترین بنیادی محرکات ہیں۔ لیکن اسے اس ملک کی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہاں قوت و طاقت کے اس لازوال خزانے سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے بلکہ مسلسل ایسے اقدام کیے گئے ہیں جن سے ہماری نئی پود ان تصورات اس سے یکسر بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔

ہمارے معاشرتی ڈھانچے کو جس احمقانہ طریق سے تبدیل کیا جا رہا ہے اُس سے بھی جرائم کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہُوا ہے۔ مغربی تہذیب کو اندھا دُھند مسلّط کرنے کی وجہ سے ہمارے ہاں بہت سی ذہنی اور اخلاقی اُلجھنیں پیدا ہوگئی ہیں۔ مثلاً صبر و قناعت کی جگہ معاشرے میں دولت کی ایک نہ مٹنے والی ہوس اور معیارِ زندگی بلند کرنے کی اندھا دھند فکر نے لے لی ہے اور ہر شخص حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے حدود و قیود سے بالکل آزاد ہو کر اُس کے حصول کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اخلاق کی اس پامالی سے انسانی تعلقات کی تقدیس کو شدید نقصان پہنچا ہے اور انسان انہیں مجروح کرنے میں قطعاً کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ لوٹ کھسوٹ کے اس رجحان نے اپنے حدود اور دوسروں کے حقوق کا احترام تو درکنار، احساس تک ختم کر کے رکھ دیا ہے، کجا کہ کوئی شخص دوسرں کے لیے کوئی ایثار کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی جان اور اُس کی عزّت و آبرُو کے مقابلے میں بے جان سکوں کی قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہم چونکہ مغربی تہذیب کے معمار نہیں بلکہ صرف اس کے نقّال ہیں اس لیے اس کے اندر خیر کے جو پہلو بھی ہیں، اُنھیں اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اپنانے سے قاصر ہیں۔ البتہ اس کی برائیوں کو

ہم بڑی سرعت اور خوشدلی کے ساتھ قبول کر رہے ہیں۔ اہلِ مغرب کی طرح ہم میں نہ تو احساسِ ذمہ داری ہے نہ آئین و قانون اور اجتماعی زندگی کے ضابطوں کا احترام اور نہ اپنے کام اور مقصد کی کوئی گہری لگن ہم نے اگر وہاں سے کچھ لیا بھی ہے تو عریانی، فحاشی، شراب خوری، تنگ اور چُست لباس، اخلاق سوز فلمیں اور انسانیت سوز ادب۔ ہمارا نوجوان اس بات کا تو بڑا دلدادہ ہے کہ وہ مغربی نوجوانوں کی طرح رقص و سرود کی مجالس میں بے دھڑک شریک ہو، ٹیڈی لباس پہن کر عورتوں پر آوازے کسے، موٹروں اور سکوٹروں کی چوری کرے اور بنکوں اور بڑے بڑے اداروں پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے عجیب و غریب منصوبے بنائے۔ لیکن اُس کے دل میں یہ جذبہ کبھی موجزن نہیں ہوتا کہ وہ مدرسوں، کالجوں، یونیورسٹی یا کام کاج کے دوسرے مراکز میں اُس انہماک، یکسوئی اور ریاضت کا ثبوت دے جو ہمیں مغربی اداروں، دفاتر اور کارخانوں میں نظر آتی ہے۔ ہماری نئی پود نے مغرب سے جو کچھ لیا ہے اس میں بجز ذہنی اور اخلاقی آوارگی، غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل، ہنگامہ آرائی اور شورش پسندی کے کوئی تعمیری جذبہ نظر نہیں آتا۔ ایک طرف نوجوانوں کے قلب و دماغ میں اس قسم کے خوفناک رُجحانات پرورش پا رہے ہیں، اور دوسری طرف فلموں اور جاسوسی ناولوں کے ذریعہ انہیں قتل و غارت، ڈاکہ زنی، اغوا اور پھر ان جرائم کی پاداش سے بچنے کے مختلف گُر سکھائے جاتے ہیں۔ جنہیں آزمانے کے لیے وہ مغرب کے اوباش اور آبرو باختہ لوگوں کی تقلید میں بڑے گھناؤنے جرائم کا بے تکلف ارتکاب کرتے ہیں۔ اخبارات میں جرائم کے جو واقعات ہر روز سامنے آتے ہیں اُن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بیشتر تعداد ایسے مجرموں کی ہے جنہوں نے کہیں دُور دراز علاقوں میں قانون کی آنکھ سے چھپ کر تربیت نہیں پائی ہے بلکہ ہمارے اِن شہروں کے نہایت ہی مہذب اور بارونق حصّوں میں قانون کے عین سایہ کے نیچے رہ کر یہ تربیت حاصل کی ہے۔ ان کی ٹریننگ کے لیے رقص گاہیں، نائٹ کلب، سنیما گھر اور اسی قسم کے دوسرے بیشمار مراکز موجود ہیں۔

ہمارے ملک کا معاشرتی نظام جس برق رفتاری سے تبدیل ہو رہا ہے اُس نے عوام کو بالکل

حواس باختہ کر دیا ہے۔ نت نئی تبدیلیاں، اور خصوصاً ایسی تبدیلیاں جو ان کے قومی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، اُن کی قوتِ فکر اور ان کے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو رہی ہیں اور ان سے لوگوں کے افکار و جذبات میں بڑا اختلال پیدا ہو گیا ہے۔ اہلِ یورپ کے ہاں اگر تھوڑا بہت ذہنی اور جذباتی سکون باقی ہے تو اس کی بڑی وجہ یونان اور روم کا وہ فلسفہ اور طرزِ فکر ہے جس کی بنیاد پر مغربی تہذیب کا محل تعمیر کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل غیر معقول اور ناقابلِ فہم ہے۔ ہم اپنے ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو تو مغربی تہذیب کے عین مطابق تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس بات کو یکسر نظر انداز کر رہے ہیں کہ یہ تمدن ایک ایسے مادّی طرزِ فکر کا فطری نتیجہ ہے جس نے مدت ہائے دراز تک مغربی ذہنوں کی آبیاری کی ہے۔ اِس بنا پر اہلِ مغرب اپنے نظامِ حیات اور فکری پس منظر کے درمیان کوئی تصادم نہیں پاتے اور وہ اُس کی جکڑ بندیوں کو بڑی خوشدلی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ مگر پاکستان میں ایک مختلف صورتِ حال درپیش ہے۔ یہاں کے عوام کی عظیم اکثریت کا مزاج بنیادی طور پر اُس نظامِ فکر و عقائد کو قبول نہیں کرتا جو اس کے اوپر زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے۔ جو نظام قلب و دماغ کو مطمئن کیے بغیر مسلط کیا جائے گا وہ لوگوں کے لیے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہو گا اور اُسے نافذ کرنے اور قائم رکھنے کے لیے بہت سی ناروا پابندیوں بلکہ شدید جکڑ بندیوں سے کام لینا پڑے گا۔

اس افسوسناک صورتِ حال نے ہمارے عوام کو اپنے مستقبل سے سخت مایوس کر دیا ہے۔ وہ جب سیاسی زندگی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔ جب تعلیمی نظام میں کسی تبدیلی کے آرزومند ہوتے ہیں تو وہاں انہیں قدم قدم پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ معاشی میدان میں سرمایہ دار بڑے اطمینان کے ساتھ جونک کی طرح ان کا لہو چوستا ہے لیکن وہ اس سے جان نہیں چھڑا سکتے اور اگر کبھی ایسا کرنے کی جسارت بھی کرتے ہیں تو گولیوں سے اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ بے بسی کے اس عالم میں بعض لوگوں کے جذبات بہک کر بالکل غلط سمت اختیار کر لیتے ہیں

اور اُن کے اندر مجرمانہ ذہنیت پرورش پانے لگتی ہے۔

بڑھتے ہوئے جرائم کے ان بنیادی اسباب میں سے بہت سے اسباب ایسے ہیں جن کا تدارک حکومت کی تدبیر کے بغیر نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ بعض ایسی تبدیلیوں کے متقاضی ہیں جو افراد کے بس میں نہیں ہیں۔ لیکن نہ تو سب کچھ حکومت کی تدبیر پر موقوف ہے، اور نہ ہم حکومت کی توجہ فرمائی کے انتظار میں قتل و غارت کی اس گرم بازاری کے خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے جن لوگوں کو بھی اِس صورتِ حال کی اندیشناکی کا کچھ احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی روک تھام کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں اُس میں کوتاہی نہ کریں۔

اس ضمن میں پہلا قدم یہ ہے کہ ہم عوام الناس کے قلب و دماغ میں اس غیر معمولی احترام کا نقش بٹھائیں جو اسلام انسانی جان کے لیے قائم کرنا چاہتا ہے، تاکہ انہیں اس امر کا احساس ہو کہ انسانی جان کا زیاں کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ اپنے لیے ایک بہت بڑے شدید عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ہمارے ملک کے عوام کافر نہیں ہیں۔ خدا اور رسول اور آخرت کے منکر نہیں ہو گئے ہیں۔ انہیں صرف غفلت لاحق ہو گئی ہے جسے دُور کرنے کے لیے تذکیر کی ضرورت ہے۔ اِس گئی گزری حالت میں بھی ان کی اصلاح کے لیے اگر کوئی چیز کارگر ہو سکتی ہے تو وہ باہر سے لایا ہُوا کوئی فلسفہ نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم و ہدایت ہی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتل کے پہلے واقعہ کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے اُس سے اس جُرم کی سنگینی، اس کے مفاسد اور قاتل کی مجرمانہ ذہنیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ	آپ انہیں آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ بے کم و
اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا	کاست سنا دیجیے۔ جب اُن دونوں نے قربانی
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ	کی تو اُن میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ لَئِنْۢ
بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ
يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ
بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ
النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۔
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ
فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ فَبَعَثَ
اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ
كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ
يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ
كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ
قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي
الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ
جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا
النَّاسَ جَمِيْعًا

(المائدہ ۔ رکوع ۵)

دوسرے کی نہ کی گئی (اس پر وہ دوسرا) بولا کہ مَیں تجھ کو قتل کر کے رہونگا۔ اس نے جواب دیا اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائیگا تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے والا نہیں ہوں کہ تجھے قتل کر ڈالوں۔ مَیں اللہ رب العٰلمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخرکار اس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور وہ اُسے مار کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) وہ بولا، افسوس مجھ پر! مَیں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔ غرض وہ اپنے کیے پر سخت نادم ہُوا۔ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کر دیا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اُس نے گویا سارے انسانوں کو بچالیا۔

ان آیات کے مطالعہ سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قتل کا ارادہ ایک ایسے

بیمار ذہن کے اندر پرورش پاتا ہے جو انسانیت کے پاکیزہ احساسات سے یکسر محروم ہو چکا ہو اور جس کی ذہنیت اس حد تک بگڑ چکی ہو کہ وہ اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے اُن لوگوں کی جان کا دشمن بن جائے جو کامیاب اور بامراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل انسانیت کے مشترک احساسات سے یکسر عاری ہوتا ہے۔ اس کے نفس میں اتنا خبث بھر جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر جھانک کر دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ البتہ اُسے اپنے گردوپیش جو لوگ بھلے معلوم ہوتے ہیں انہیں مٹانے کا ارادہ کرتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ذہنیت کا کوئی صحت مند انسان تو مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ یہ مجرمانہ طرزِ فکر وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو باؤلے ہو چکے ہیں۔

اس بیمار ذہنیت کے مقابلے میں ایک صحت مند اور معقول انسان کا رویہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا گلا کاٹنے کے بجائے اُس کی زیادتی کو بڑے صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور اپنے دشمن کے ارادۂ قتل پر مطلع ہونے اور اُس کے ناپاک عزائم کو جاننے کے باوجود اس غیر انسانی فعل کی اپنی طرف سے ابتدا نہیں کرتا۔ یہاں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دے رہا کہ ہم خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو قاتل کے حوالے کر دیں، یا ظالمانہ حملہ کی مدافعت سے باز رہیں۔ وہ جو چیز ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ دشمن گھات میں لگا ہوا ہے، اپنی حفاظت کی فکر تو کرنی چاہیے البتہ اس کے قتل کی فکر نہ کرنی چاہیے اور اس بات کو ترجیح دینی چاہیے کہ ظالمانہ اقدام دوسرے کی طرف سے ہو اور آپ کا دامن ابتداء بالقتل سے بالکل پاک رہے۔ اسی بنا پر بعض اکابر نے خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کے آخری طرزِ عمل کو اسی آیت کی عملی تفسیر قرار دیا ہے۔ یعنی آپ اقدامِ قتل سے آخر وقت تک اجتناب کرتے رہے۔ اپنا گلا کٹوانا گوارا کر لیا لیکن اس بات کو گوارا نہ کیا کہ کسی مسلمان کے خون سے اُن کے ہاتھ رنگین ہوں۔ مشہور مفسر ابن کثیر نے ایوب سختیانی کا مندرجۂ ذیل قول نقل کیا ہے:

ان اوّل من اخذ بھذہ الاٰیۃ — امتِ محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیت

من هٰذہ الامۃ عثمان بن عفان پر عمل کر کے دکھلایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے

بعض مترجمین نے انی اخاف رب العٰلمین کا ترجمہ کرتے وقت لفظ "کیونکہ" بڑھا دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہابیل اگر قابیل کی اشتعال انگیزی کے باوجود اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے اجتناب کرتا رہا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اس کے مقابلہ میں بزدل اور کمزور تھا اور وہ اس کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اصل میں جو چیز اُسے اس اقدام سے باز رکھ رہی تھی وہ پروردگار عالم کا خوف تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس حقیقت کو یُوں کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا خوف نہ صرف انسان کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے باز رکھتا ہے بلکہ انتہائی پُر آشوب حالات میں بھی اُس کے دماغی توازن کو برقرار رکھنے میں اُس کی معاونت اور دستگیری کرتا ہے اور اُسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دامن کو ظلم سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اس موقع پر "رب العٰلمین" کے الفاظ بھی بڑے معنی خیز ہیں اور قرآن مجید کے کمالِ بلاغت کو ظاہر کرتے ہیں۔ امام راغب نے مفردات میں الرب کے معنی یہ بیان کیے ہیں: ھو انشاء الشیٔ حالاً فحالاً الی حد التمام یعنی رب وہ ہے جو کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حدِ کمال تک پہنچائے۔ ہابیل جب قاتلانہ عزائم رکھنے والے بھائی کے مقابلے میں ہر قسم کے اشتعال سے پروردگار عالم کے خوف کا ذکر کرتے ہوئے اجتناب کرتا ہے تو اس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ وہ انسانی زندگی پر ہاتھ ڈال کر اُس نظام سے بغاوت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا تھا جو رب العالمین نے اپنی مخلوق کے حفظ و بقا اور تدریج و ترقی کے لیے قائم کر رکھا ہے وہ اُس خدائی نظامِ ربوبیت میں مددگار بننا چاہتا ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب جو شخص بھی اس مقدس نظام کے خلاف عمل کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی بنا پر سورۃ الفرقان میں شرک کے بعد دوسرے درجے پر جس جرمِ عظیم کا ذکر کیا گیا ہے وہ قتل ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے

اُخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (رکوع ۶)

اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔

پھر قتلِ مومن کے سلسلے میں تو وعید اس سے بھی زیادہ شدید اور سخت ہے۔ اس کی جسارت کرنے والے کے لیے تو وہی سزا رکھی گئی ہے جو کافروں کے لیے مخصوص ہے :

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء۔۱۳)

اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

حضور سرورِ کائنات کی بے شمار احادیث انسانی جان کے احترام کی تعلیم و تلقین سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ کبائر کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وعقوق الوالدين وقتل النفس وقول الزور۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب الکبائر)

بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، انسانی جان کو ہلاک کرنا، اور جھوٹ بولنا۔

دوسری حدیث میں قتلِ نفس کو ماں باپ کی نافرمانی سے پہلے، شرک کے متصل بیان فرمایا کیا گیا ہے:

عن انس بن مالك قال ذكر رسول الله صلی الله عليه وسلم الكبائر او سئل عن الكبائر فقال الشرك بالله

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کے بارے میں بیان فرمایا یا آپ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا

وقتل النفس وعقوق الوالدین۔ (صحیح مسلم حوالۂ مذکور)

تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا انسان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

قتلِ ناحق تو خیر بڑی بات ہے، جو شخص اس فعل کے ارتکاب کے متعلق سوچے اور اس کی فکر کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کو دعوت دیتا ہے:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغض الناس الی اللہ ثلثۃ: ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرئ بغیر حق لیھریق دمہ (بخاری۔ کتاب الدیات)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ ایک وہ جو حرم میں بے اعتدالی کرے (مثلاً خون، خرابہ، شکار وغیرہ) دوسرا وہ جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے چلانے کی کوشش کرے۔ تیسرا وہ جو کسی انسان کا ناحق خون بہانے کے درپے ہو

مسلمان تو مسلمان، اسلام میں تو اُس کافر کا خون بہانا بھی گناہِ عظیم ہے جس کو اسلامی حکومت میں ذمّی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن عبد اللہ ابن عمرؓ عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قتل نفسًا معاھدًا لم یرح رائحۃ الجنۃ وان ریحھا یوجد من مسیرۃ اربعین عامًا (بخاری کتاب الدیات)

(حضرت) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے شخص کو مار ڈالے جس سے معاہدہ کیا جا چکا ہو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے۔

(باقی ص ۶۵ پر)